Lesson 1: Nahl (Ayaat 1- 21): Day 2

سُوۡرَةُ النّحل کی تفسیر

براہ راست آیتوں پر جانے سے پہلے تھوڑا سا سورۃ کو دیکھیں گے۔ سورۃ کا نام النّحل ہے۔۔ بہت ہی خوبصورت سورۃ ہے۔ سورۃ کا یہ نام سورۃ کے اندر ہی ایک آیت جس میں شہد کی مکھی کا تذکرہ ہے، اس میں آتا ہے۔ رمضان کے دورۂ قرآن کے بعد ایک بات سمجھ آئی کہ بعض اوقات صرف ایک لفظ کسی صورت کا تھیم ہوتا ہے۔

سورۃ النحل آیت 68 وَاَوۡحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ میں اس سورۃ کا نام ہے۔ لفظ 'النحل' دیکھنے میں یہ شہد کی مکھی ہے، لیکن دیکھا جائے تو یہ اس پوری کائنات کا مزاج ہے، اور وہ یہ کہ ٹیم ورک۔ اس پوری صورت میں محنت کا درس پائیں گے۔ محنت کرنے والے ہی جیتتے ہیں اور آپ سب بھی اپنے آپ سے پوچھیں ہم کہ کیا محنت سے ابھی تک جان چھڑاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بہانے یا عذر تو نہیں بناتی، میرے شرعی عذر ہیں یا کوئی اور ہیں۔

ایمان والے کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ موسم کیسا ہے، اس کی مصروفیت کیا ہے۔ آیت 68 کی روشنی میں ہم انشاء اللہ شہد کی مکھی سے بہت کچھ سیکھیں گے۔ سورۃ ایک اور نام بھی ہے اس کو 'سورۃ النِعم' بھی کہتے ہیں۔ نعمتوں والی سورۃ، چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں ہمیں بہت ساری نعمتوں سے ملایا ہے۔ شروع میں تذکیر بالایام اللہ ہے، پھر تذکیر بالاٰ لاءاللہ ہے۔ یعنی شروع میں ڈانٹ کا انداز ہے اور پھر اس کے فوراً بعد اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ سورہ حجر سے اس کا بہت گہرا تعلق ہے۔ سورہ حجر کی آخری آیتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیغام دیا گیا کہ یہ نہیں مانتے تو نہ مانیں یہ ان کے نصیب کی بات ہے۔ ہمیں ایک بات پتا ہے وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ صَدۡرُكَ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَۙ

﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ
﴿۹۹﴾ ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ تم پر بناتے ہیں ان سے تمہارے دل کو سخت کوفت ہوتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اس کی جناب میں سجدہ بجالاؤ ۔اور اُس آخری گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے۔

اس صورت میں آپ دیکھیں گے کہ بغیر کسی تمہید کے بغیر حروف مقطعات کے، بغیر اللہ کے نبیؐ کے، بغیر قرآن کے تذکرے کے بات ڈانٹ کے انداز سے شروع کی۔ اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ سورہ حجر کا اختتام سورہ نحل کی ابتدا بن گئی۔ سورۃ نحل مکی دور کی آخری سورۃ ہے۔ آیت 41 میں ہجرت کا ذکر ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورۃ ان حالات میں نازل ہوئی جب مکہ میں رہنے کے لئے حالات بالکل ناساز گار ہو چکے تھے۔لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جینا محال کی ہوئے تھے۔ تو کہا گیا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ کوئی بات نہیں جب ایک جگہ راستے بند ہوتے ہیں تو ہجرت کر لیں۔

پھر اسی طرح اس سورۃ کی آیت 106 مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ سے پتہ چلتا ہے کہ جب ایمان لانے کے بعد اگر اسکو اتنا مجبور کر دیا جائے کہ اس کو کفر بھی کرنا پڑے، تو یہ ظلم و تشدد کی انتہا ہوتی ہے۔ یہ کسی سورۃ کے اشارے ہوتے ہیں کہ یہ سورۃ کس دور میں نازل ہوئی۔ اسی طرح اس سورۃ کی آیت 112 سے 114 تک مکہ کے وہ حالات ہیں، جن کو مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مکہ والوں کو سامنا کرنا پڑا۔ یعنی اللہ کے نبی نے ہجرت کی تو مکہ میں قحط آیا تھا اس کا ذکر بھی سورۃ میں ہے۔ اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ یہ مکی دور کی آخری سورۃ ہے۔

اور اسی طرح اس سورۃ کا ہمیں ایک اور مزاج ملتا ہے اور وہ یہ کہ "شرک کی ہر ممکن قسم"۔ اس سورۃ سے پتہ چلے گا کس طرح لوگ شرک کرتے ہیں اور شرک ہوتا ہی تب ہے جب نعمتیں دینے والے کی ناقدری ہوتی ہے۔ توحید زندگی کا خوبصورت طریقہ ہے، اس کی بات ہے۔ اللہ کے نبیؐ کی مخالفت اور آپ کے اوپر اللہ کی طرف سے تسلی اور دلاسے اس صورت میں ملیں گے۔

ایک اور چیز اس صورت میں بہت کثرت سے ملے گی اور وہ یہ آیات قونیہ۔ یہ وہ آیات ہوتی ہیں جو کائنات پر پھیلی ہوئی نشانیوں کے بارے میں بتاتی ہیں۔ دنیا کے اشارات، پڑھتے ہوئے آپ کو ایسے محسوس ہو گا کہ آپ ایک ٹرین میں بیٹھے ہیں اور آپ کھڑکی سے باہر کے مناظر کو دیکھ رہے ہیں اور ہر لمحہ مناظر بدلتے جاتے ہیں۔ اس سورۃ میں آفاق اور نفس کے آثار نظر آئیں گے اور یہ دکھایا جا رہا ہے کہ شرک کو چھوڑ کر اتنی بڑی ذات کو مان جاؤ۔ اسی طرح باطل پر ان کے اسرار کی کچھ نشانیاں ملیں گی کہ کیسے لوگ بار بار غلط کام کرتے ہیں اور اس کے برے نتائج بھگتنے کے باوجود ایمان نہیں لاتے۔

اور اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اعلی اخلاق سکھائے گئے ہیں کہ جو بُرے سے بُرے ماحول کو بھی خوشگوار کر دیتا ہے کہ آپ اس اپنے کام کرتے رہیں اور پھر آخر میں کچھ تسلیاں ہیں۔ شروع کریں گے اور ساتھ اللہ سے مدد مانگیں گے کہ وہ ہمارا فہم کھول دے۔ یہاں سے آگے تین صورتیں ایسی شروع ہو رہی ہیں جو نسبتاً طویل ہیں اور ان صورتوں میں پہلی سورہ نحل تھوڑی سی اچھوتی صورت ہے۔ اور اس سے آگے دو سورۃ یں سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف، ان دونوں کا مزاج بھی ملتا ہے اور آپ دیکھ سکتے ہیں قرآن پاک کی سورتوں کے اندر ہمیں بہت کچھ دیکھ کر بات کو سمجھنا آسان لگتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔۔ اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۱﴾

آ گیا اللہ کا فیصلہ، اب اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ پاک ہے وہ اور بالاتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

یہاں لفظ اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ ماضی کا صیغہ ہے۔ آ گیا اللہ کا حکم، یہ کون سا حکم تھا، اس کے بارے میں تین تفاسیر آتی ہیں۔

1۔ اس سے مُراد مشرکین پر عذاب کا فیصلہ آ گیا، اشارہ ہے بدر کی طرف۔ کیوں کہ ہجرتِ مدینہ کے ساتھ ہی اگلے سال میں ایک ایسی جنگ ہوئی کہ جس نے مکہ والوں کا سارا زور توڑ دیا۔

2۔ اس سے مراد قیامت کا فیصلہ، کیوں کہ قیامت قریب ہے۔ تم جتنی مرضی جلدی مچاؤ، قیامت آ کے رہے گی۔

3۔ اس سے مراد ہجرت کا فیصلہ، اس میں مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے۔ جس وقت یہ قرآن نازل ہو رہا تھا اُس وقت بہت پروپیگنڈہ تھا کہ لوگ سوچتے تھے کہ اللہ کے نبیؐ جو کام کر رہے ہیں یہ بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔ تو اللہ تعالی کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو بتا دیں اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ، جب رسول کو بھیج دیا تو فیصلہ بھی آیا کھڑا ہے۔ امتحان کے بعد نتیجہ کی باری ہوتی ہے۔ اللہ تعالٰی نے آخری رسول بھیج دیا، اور اللہ رسول کو بہت بڑی نعمت دیتے ہیں، مکہ والوں نے اس نعمت کی ناقدری کی۔

حقیقت ہے کہ لوگ نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں۔ ہم نے پیچھے تین سورۃ یں پڑھیں۔ سورۃ حجر، سورۃ ابراہیم اور اُس سے پیچھے کی سورۃ رعد۔ اگر ان تینوں کو جمع کریں تو سورۃ ابراہیم میں قرآن کو نعمت کہا

گیا۔ سورۃ حجر میں مادی نعمتوں کا ذکر تھا، پچھلی قوموں کا تذکرہ کیا گیا۔ اب یہاں نعمتوں کا شُکر نہ کرنے کا ذکر ہے۔ اللہ نبیؐ کی وجہ سے مکہ والوں کو جو نعمت دے چُکا تھا، جب اُنہوں نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اب اِنکی پکڑ ہے۔ یہ بالکل ایسے ہے کہ آپ تو اپنے بچے کی ہر بات مانیں اور بدلے میں نہ وہ آپکی بات مانے، نہ پڑھائی کرے۔ تو آپ کہتے ہیں کہ اب تمہاری خبر لیتی ہوں۔

تو اللہ کہتے ہیں کہ اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فیصلہ نافذ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ یعنی شدت کا انداز ہے۔ ہجرت کے سفر سے مکہ والوں نے سمجھا کہ اچھا ہوا، ہماری ان سے جان چھوٹ گئی۔ لیکن اُن کے لیے موت کا پیغام تھا۔ اُنہوں نے اللہ کے نبیؐ کو خود سے دور کر کے اپنی تباہی کو دعوت دی تھی۔ جب کسی جگہ کوئی نبی آئے، اور قوم اُن کو نہ مانے تو قوم کا نصیب عذاب ہوتا ہے۔ ہم پیچھے قوموں کے عذاب پڑھ چکے۔ مکہ والوں کے ساتھ تھوڑا مختلف انداز تھا۔ اب نبی کے مکہ چھوڑ کے جانے کو مکہ والوں کی پکڑ کہا گیا۔ اب دیکھو کس صُبح، کس شام تم پر عذاب کا کوڑا برستا ہے۔ آٹھ سے دس سالوں میں دنیا نے دیکھا کہ نہ صرف مکہ بلکہ سرزمینِ عرب سے کفر و شرک کی جڑیں اُکھیڑ کے رکھ دیں۔ اگر اسکو قیامت کے رنگ میں لیں تو قرآن میں کئی جگہ آتا ہے، سورۃ معارج میں ہم پڑھتے ہیں اِنَّهُمۡ يَرَوۡنَهٗ بَعِيۡدًا ۙ﴿۶﴾ وَّنَرٰٮهُ قَرِيۡبًا ؕ﴿۷﴾ یہ لوگ اُسے دور سمجھتے ہیں ، اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔

سورۃ الاعراف میں ہم پڑھ چکے کہ زمین و آسمان قیامت کے آنے کے ذکر سے ہی بوجھل ہے۔ سورۃ محمد میں آتا ہے کہ قیامت آنے والی ہے، حالانکہ اُس کی نشانیاں تو آ ہی چکی ہیں۔ اللہ کے نبیؐ نے فرمایا" میں اور قیامت معبوث کیے گئے، جیسے 'کہا طین'، آپ نے اپنی دو اُنگلیاں دکھائیں۔ (جیسے دو اُنگلیوں کے درمیان کوئی تیسری چیز نہیں) اللہ کے نبیؐ کا دنیا میں آنا اس بات کی دلیل تھی کہ اب اور کوئی نبی

نہیں آئے گا، صرف قیامت آئے گی۔ اور کچھ کہتے ہیں کہ 'کہاطین' میں چھوٹی اور بڑی اُنگلی کا فرق ہے۔ یعنی اب بس اتنا ساوقت رہ گیا ہے کہ جس کے بعد قیامت آئے گی۔

ہر کوئی اپنے اوپر لے کے سوچ، کہتے ہیں کہ "نہ جا اُس کی ڈھیل پہ، بے جا ہے پکڑ اُسکی"۔ جب ہماری زندگی کوئی مشکل نہیں آتی تو ہم سوچتے ہیں کہ اللہ کی پکڑ سے دور ہو گئے تو فرمایا کہ وہ تو آئے گی اور تم دیکھو گے۔ سورۃ الاحزاب آیت 63 میں بھی آتا ہے؛

وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوۡنُ قَرِيۡبًا، تمہیں کیا خبر، شاید کہ وہ قریب ہی آ لگی ہو۔ سورۃ ص، آیت 16، سورۃ نجم آیت 57، سورۃ عنکبوت آیت 54، میں بھی یہی مضمون ہے۔

ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے نبیؐ سے جب ایک شخص نے آ کے پوچھا کہ اللہ کے نبی قیامت کب آئے گی تو آپؐ نے فرمایا کہ ساتھی یہ بتا کہ تو نے قیامت کے لیے کیا تیار کیا ہے۔ میرے اور آپ کے لیے اس میں عمل کا نکتہ تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ ہے۔ جلدی نہ مچاؤ، یہ بتاؤ کہ تم نے اُس کے لیے تیار کیا کِیا ہے۔ فطرت کا اصول ہے کہ کچھ چیزیں وقت لیتی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالٰی کہتے ہیں جلدی نہ مچاؤ۔ اپنے لیے زندگی کا ایک اصول بنائیں، اپنی زندگی میں ٹھہراؤ لائیں۔ خود سے پوچھیں، کیا میری زندگی میں ٹھہراؤ آیا، ہولنا کی کم ہوئی، گبھراہٹ کم ہوئی، اگر کم ہوا تو سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اندر 'حِلم' لے آئے۔ اب اللہ تعالٰی ان لوگوں کو بتاتے ہیں کہ تم تو شرک کرتے ہو کہ اس نبی کو کیوں بنایا۔ انکا اعتراض یہ تھا کہ قیامت نہیں آنی، یعنی قیامت کو نہیں مانتے تھے اور دوسرا اعتراض یہ تھا کہ نبی کو نہیں مانتے تھے۔ اب اس کا جواب دیا جارہا ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿۲﴾

وہ اِس روح کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے اپنے حکم سے ملائکہ کے ذریعے نازل فرما دیتا ہے (اِس ہدایت کے ساتھ کہ لوگوں کو) "آگاہ کر دو، میرے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہے، لہٰذا تم مجھی سے ڈرو"

یہ آیت نبیؐ کی رسالت کی دلیل ہے۔ کہتے تھے کہ آخر اس شخص کو نبی کیوں بنایا گیا۔ اگر کسی کو نبی بننا بھی تھا تو مکہ کو کوئی بڑا شخص ہوتا، ولید بن مغیرہ ہوتا، کوئی طائف کا امیر شخص ہوتا۔ اس غریب کو اللہ نے کیوں بنا دیا۔ تو اللہ کہتے ہیں کہ یہ میری مرضی، اللہ اپنے کام خود جانتا ہے۔ اُسکو پتا ہے کون میرے کام کرنے کے قابل ہے، کون میرے اس راستے کی صعوبتیں برداشت کر سکتا ہے۔ اور کون ہر وقت شکوے شکایتوں میں رہے گا۔ یہ اس آیت کا تھیم تھا۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ وہ فرشتوں کو بھیجتا ہے بِالرُّوْحِ یہاں روح سے کیا مراد ہے، یہاں روح وحی کے معنوں میں آئی ہے۔ پیچھے سورۃ الانعام میں بھی ہم نے یہی حکم پڑھا تھا 'کہ اللہ کو پتا ہے اپنی رسالت کا کام کس سے لے'۔ آگے جا کے ہم سورۃ مومنون میں ہم پڑھیں گے کہ اللہ جس پہ اپنی روح ڈال دیتا ہے۔ روح سے مراد قرآن ہے۔ جس طرح جسم کی زندگی روح سے ہے، اسی طرح روح کی زندگی قرآن سے ہے۔ آپ کہہ لیں کہ قرآن اور ہماری روح ہم وطن ہیں۔ جس طرح ہم ایک دوسرے کو دیکھ کے خوش ہوتے ہیں اسی طرح ہماری روح قرآن سُن کے خوش ہوتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے اپنی روح کو گناہوں اور نافرمانیوں سے بھر دیا اُن کا اس محفل میں دل نہیں لگتا۔ قرآن پاک میں تین طرح سے روح کا ذکر آتا ہے۔

1۔ وحی کے معنوں میں، جو یہاں آیا۔ یہی معنی ہمیں انشاءاللہ سورۃ شعراء میں بھی ملے گا۔ وہاں بھی ایسا ہی لفظ استعمال کر کے بتا دیا گیا کہ اللہ نے اس قرآن کو انسانیت کی روح بنا دیا۔ جب تک قرآن ہے، انسانیت موجود ہے۔ جس دن قرآن اُٹھالیا جائے گا اُس دن کے بعد لوگ قیامت آنے کے لیے انتظار نہیں کریں گے بلکہ فوراً قیامت آنے لگے گی۔

2۔ جیسے جسم میں روح آتی ہے تو جسم قائم رہتا ہے، اسی طرح زندگی میں قرآن آتا ہے تو زندگی محسوس ہوتی ہے۔ خوشی اور تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن جب قرآن نہیں ہوتا تو دل مردہ ہو جاتا ہے۔ کافروں کی زندگی مردہ لاشیں ہیں۔ جسم میں روح قرآن ہے۔ قرآن آیا تو جان میں جان آ گئی۔ لیکن قرآن کی روح، اُسکا فہم اور تدبر ہے۔ آپ سارے ترجمے پڑھ لیں، فقہی مسائل پڑھ لیں لیکن اگر اس قرآن کو پڑھنے کے بعد آپ کے اندر روحانیت نہیں آئی، تبدیلی نہیں آئی تو یاد رکھیں کہ آپ نے قرآن کی روح کو نہیں پایا۔

آج قرآن کو Intellectual کتاب تو بنا کے پیش کر دیا گیا لیکن اسکو پڑھنے کے بعد اگر فَاتَّقُوْنِ اللہ کا ڈر نہیں آتا تو آپ کچھ بھی کریں قرآن کی روح کو نہیں پایا۔ قرآن کی روح تقویٰ ہے۔ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اللہ کا ڈر پیدا ہو جائے۔ یہ مقاصد تھے جن کے لیے نبی آئے۔ اللہ کی یہ کوشش تھی کہ لوگوں میں اللہ کا ڈر پیدا ہو جائے۔ اور یہی آج مجھے اور آپکو خود سے پوچھنا ہے۔ جس طرح بھوک مٹانے کے لیے کھانا کھایا جاتا ہے، اسی طرح قرآن کا بار بار پڑھنا ہمارے جسم کے اندر طاقت لے کے آتا ہے۔ ہم قرآن کو قرآن برائے قرآن نہیں بلکہ قرآن برائے روح، قرآن برائے خوراک پڑھیں گے۔

نبیوں کی دعوت لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہ سے شروع ہوتی ہے اور تکمیل فَاتَّقُوْنِ تقویٰ پہ ختم ہوتی ہے۔

قرآن کا مزاج یہ ہے کہ سب سے پہلے لوگوں کو اللہ کا ایک ہونا سمجھ آجائے، اُسکی قدرت اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد عملی چیز فَاتَّقُوْنِ۔ جو ان کے ہاتھ، زبان روک دے۔ اُنکی نگاہیں حرام چیزیں دیکھ کے جُھک جائیں۔ یہ دو کام کر لیں اور اگر ہو گئے ہیں تو آپکو مبارک ہو۔ آپکے اندر اصل روح آگئی ہے۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اُس نے یہ قرآن ہمیں دیا۔

اگر اللہ کی ذات کو سامنے رکھیں گے تو آپکو ہر سوال کا جواب اس میں ملے گا اور اگر آپ نے صرف اسکو بحث کے لیے رکھا تو آپ اُسی میں اُلجھ کے رہ جائیں گے۔ ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا آغازِ دعوت ہے۔ اور فَاتَّقُوْنِ انتہاء دعوت ہے۔ میں اور آپ خود سے پوچھ کے آگے چلتے ہیں کہ کیا ہم بدل گئے ہیں۔ زندگی سے شرک نکل گیا ہے۔ یہ نہ نظر آنے والا شرک ہے۔ کل کے شرک بت تھے لیکن آج کے دور کا شرک، پیسہ، مادہ پرستی، آسودگی ہے۔ جب توحید اندر اتی ہے تو امن آ جاتا ہے۔ مکہ والے بُتوں کو نہیں پوجتے تھے۔ بُت اُنکی Economy تھی۔ مکہ والوں کا مزاج یہ تھا کہ ہر کچھ عرصہ کے بعد بُت کا ایک نیا ماڈل پیش کرتے تھے۔ سجاتے، سنوارتے، پھر بازاروں میں جا کے بیچتے۔ اب بُت خرید کے گھر لے آتے، جیسے ہی بت گھر آیا کچھ خیر آگئی، کہتے یہ بھاگوان ہے۔ پھر دوسروں کو بتاتے کہ تم بھی خریدو، اس سے گھر میں خیر آگئی۔ بت بیچنے والے کا فائدہ ہو گیا۔ یہ اُنکی کمائی تھی۔ دوسری صورت یہ ہوتی تھی کہ اگر بت فائدہ مند ثابت نہیں ہوا تو اُسے پھینک کے دوسرا لے آتے۔ پھر دکاندار کا ہی فائدہ ہوتا۔ اس طرح یہ بت اُن کی کمائی کا ذریعہ تھے۔ آج بھی یہی ہے، آج مدرڈے آگیا، آج فادرڈے آگیا، اب کرسمس آگیا، اب سیل کی چیزیں خریدو۔ تو شرک سب سے زیادہ لوگوں کو معاشی طور پر متاثر کرتا ہے۔ آج کے بُت پتھر کے نہیں بلکہ کاغذ کے نوٹ ہیں۔

جب بت بڑے ہوتے ہیں تو پھر اللہ بڑا نہیں ہوتا۔ تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ہر طرح کے ظاہری اور باطنی شرک سے محفوظ کر دے۔ اس آیت کی آخری بات کہ یہاں چونکہ اللہ تعالیٰ کے روح کو پیدا کرنے کی بات ہوئی کہ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ تو یہ عالمِ خلق اور عالمِ امر کی بات ہو گئی۔ اللہ کی ذات اس کائنات کے کام دو مختلف انداز سے کرتی ہے۔ ان آیتوں میں اُن کی طرف اشارہ ہے۔ سورۃ یٰسین میں آتا ہے کہ جب اللہ 'کُن' کہتا ہے تو اُس کے امر سے کام ہو جاتا ہے۔ 'کُن' امر ہے لیکن خلق میں تدریج ہے۔ نہ سمجھ آئے تو چھوڑ دیجیے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَـقِّ‌ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳﴾

اُس نے آسمان وزمین کو برحق پیدا کیا ہے، وہ بہت بالا و برتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے۔

پیچھے شرک کی بات تھی، اب اللہ کی کائنات کی نشانیوں کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی جارہی ہے۔ ہر طرح کا کام صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ ساری دنیا ایک ہی ذات نے پیدا کی اور اب وہی ذات اُسکا نظام چلا رہی ہے۔ یہ کہتے تھے کہ اللہ نے کائنات تو خود بنادی لیکن اُس کے نظام میں بزرگ شامل ہیں۔ جبکہ سورۃ بقرہ آیت الکرسی میں کہہ دیا کہ وَلَا يَـئُوۡدُهٗ حِفۡظُهُمَا ۚ جو بنا سکتا ہے کیا وہ حفاظت نہیں کر سکتا۔ اللہ کے لیے نہ بنانا مشکل ہے نہ چلانا۔ ایک کے ہاتھ میں ہے تو ٹھیک چل رہا ہے۔ کائنات کی وحدت اللہ کے ایک ہونے میں ہے۔ آپ ایک دن اپنے 2 بچوں کو گھر کا بڑا بنا دیں آخر میں آپ دیکھیں گے کہ وہ دونوں جھگڑ رہے ہوں گے۔ تو اللہ کہتا ہے کہ ایک رب کے بن جاؤ، تمہاری زندگی میں امن اور چین آجائے گا۔ ہماری زندگیوں میں جو ٹیڑھا پن ہے، قرآن کی کلاس میں اور گھروں کے ماحول میں فرق ہے، رمضان اور غیر رمضان میں فرق ہے، اس کی ایک وجہ یہی تضاد ہے۔

وہ ساتھی جن کی زندگی فطرت پہ ہے، ان کی رمضان اور غیر رمضان کی زندگی میں کوئی فرق نہیں۔ ان کی قرآن کی کلاس میں بیٹھ کے زندگی کے انداز میں اور گھر کے ماحول میں بیٹھ کے زندگی کے انداز میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ ہم خود کو فطرت کے سانچے میں ڈھال لیں، نہ کہ ٹھنڈے اور گرم کو مِکس کرنے کی کوشش کریں۔ آگے تدریج کے مراحل بتائے گئے کہ کس طرح سے تخلیق ہوئی۔

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٤﴾

اُس نے انسان کو ایک ذراسی بوند سے پیدا کیا اور دیکھتے دیکھتے صریحاً وہ ایک جھگڑالو ہستی بن گیا۔

ماں اور باپ کے ملاپ سے جو چیز بنی اُس کو نُّطْفَةٍ کہا گیا۔ دنیا میں آنے سے پہلے ایک پانی کی بوند تھا اللہ نہ بناتا تو رہتا بھی نہ۔ دنیا میں آتے ہیں اسی رب کے معاملے میں جھگڑنے لگتا ہے اور انسان کا جھگڑا یہ ہوتا ہے کہ میں بہت بڑی چیز ہوں۔ میں اپنے سب کام کر سکتا ہوں۔ جب تک زبان نہیں ہوتی تب تک اس کے جھگڑے چھوٹی چھوٹی باتوں کے ہوتے ہیں لیکن جب زبان لگ جاتی ہے تو پھر بڑی باتوں پر جھگڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں انسان کو کچھ پتہ نہیں ہے، خود سے ہی دلائل نکالتا رہتا ہے۔ اللہ نے بولنے کی نعمت دی، تو اس کا غیر ضروری استعمال کیا کہ پھر اللہ کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ سورہ یاسین میں ہم پڑھیں گے کہ ایک شخص جو اللہ کو نہیں مانتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ کسی قبرستان سے ایک پرانی سی ہڈی اٹھالایا اور ان کے نبی صلی وسلم کو کہا، کون زندہ کرے گا اس ہڈی کو، جبکہ یہ پرانی ہو چکی ہے۔

اس پر اللہ تعالی نے اگلی آیت میں جواب دیا تھا؛

قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ اس کو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا۔ آج کے انسان کا جھگڑا یہ ہے، اسی پہ کہا کہ انسان بڑا جھگڑالو ہے۔ اسکا جھگڑا یہ ہے کہ ہم جو نظام بناتے ہیں اللہ کے نظام سے اچھا ہے، اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو بسر کرو۔

میرا اور آپ کا عمل یہ ہونا چاہیے کہ زندگی میں جھگڑوں کو ختم کر دیں۔ جھگڑنا کسی کے ساتھ بھی اچھا نہیں، چاہے آپ کسی کو دین سکھانے کے لئے جھگڑیں۔ جھگڑوں سے اتنی دور بھاگیں، جتنا موت سے دور بھاگتے ہیں۔ جب ہم دین کے ساتھ لوگوں کو جوڑتے ہیں تو ہماری عام بات بھی لوگوں کو جھگڑا لگتی ہے۔ کوئی دوسرا انسان دلائل دے تو اس کی تعریف کرتے ہیں کہ ماشااللہ کتنا علم ہے۔ اگر آپ دین کے معاملے میں دلیل کے ساتھ اپنی کوئی بات کریں تو لوگ کہیں گے کہ ان کو بہت باتیں آ گئی ہیں۔ اللہ تعالی کہتے ہیں ایسے لوگوں کو کہو کہ اللہ کے لیے اپنے معاملات کو درست کر لیں۔ سورہ مرسلات میں اللہ تعالی کہتے ہیں کیا تم کو ہم نے حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا۔

سورۃ طارق میں آتا ہے فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ پھر ذرا انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ۔ سورہ مریم آیت 66 میں آتا ہے کہ وَيَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوۡفَ اُخۡرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ کیا انسان اس پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو اس سے پہلے بھی پیدا کیا جب کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ تمام جھگڑے ختم ہو جائیں گے، جب ہم اپنی اوقات یاد کر لیں گے اور اپنی اصل کو دیکھیں گے کہ ہم کیا تھے اور کس طرح کے حالات میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالی ہمیں اپنی اصل کو پہچاننے والا بنائے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کہ بہت ہی خوبصورت فیکٹری، الانعام؛

وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا‌ ۚ لَـكُمۡ فِيۡهَا دِفۡ ٴٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ‌ ﴿۵﴾

اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی، اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی ۔

انعام کا لفظ مویشیوں کے لئے آتا ہے شرط یہ ہے کہ اس کے اندر اونٹ بھی شامل ہو۔ عربی میں انعام اونٹ کو کہتے ہیں۔ وہ تمام چوپائے جن میں اونٹ شامل ہو، ان کو انعام کہیں گے۔ سورۃ الانعام میں بھی یہی لفظ گزرا۔ وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا تو ہم نے چوپائے بنائے، لَـكُمۡ فِيۡهَا دِفۡ ٴٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ جن میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی، اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ دِفۡ ٴٌ گرم رکھنے کے سامان کو کہتے ہیں۔ سینٹرل ہیٹنگ کو عربی میں تدفیۃ کہتے ہیں۔ یعنی گرم رکھنے کا سامان، جاڑے کی پوشاکیں، وُولن، اللہ تعالی کہتے ہیں کہ تم سوچو کہ ہم نے تمہیں کیا کچھ دیا۔ اس میں تمہارے لیے گرمی کا سامان ہے۔ جانوروں کو سردی اسلیے نہیں لگتی کہ اللہ نے ان کے جسم میں ایک نظام رکھا ہے۔ ایک کولڈ بلڈ ہے اور ایک وارم بلڈ۔ یہ اپنے ٹمپریچر کو مناسب کر لیتے ہیں۔ ہمیں کرنا پڑتا ہے لیکن انکے جسم میں اللہ کی طرف سے لگا ہوا ہے۔

مَنَافِعُ نفع کی چیزیں، اس میں سے ہمیں دودھ ملتا ہے، ان کے سینگوں سے چیزیں بنتی ہیں، ان کی کھالیں کام آتی ہیں، اگر ہم اپنی میٹھی اور دودھ والی چیزوں کو دیکھ لیں تو اس آیت کی سمجھ آ جائے گی۔ یعنی اللہ نے چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں ہمیں دے دیں اور حد یہ ہو گئی کہ وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ کچھ کو تو ذبح کر کے کھا بھی سکتے ہیں۔ گوشت کی طرف اشارہ ہے۔ جن جانوروں کا گوشت زیادہ کھایا جاتا ہے اُن کی growth بہت زیادہ ہے۔ بکری چھ ماں کی ہو کے بچہ پیدا کرتی ہے اور ہر بکری ہر چھ ماہ بعد ایک بچہ پیدا کرتی

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن کا گاشت کھانے کا کہا اُن کی تعداد بھی بڑھا دی۔ اس بات کو خود پہ رکھیے کہ اگر اللہ مجھے بکری بنا دیتا تو کیا میرا خود پہ زور ہوتا۔ اللہ کی ذات نے ہمیں اتنی نعمتیں دیں لیکن ہم فائدہ تو لیتے ہیں لیکن شُکر نہیں کرتے۔ جو فائدے قدرتی چیزوں میں ملتے ہیں وہ نقلی چیزوں میں نہیں ملتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کہتے ہیں کہ تمہارے لیے شرک کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ان کی کھالوں سے ٹینٹ بنتے ہیں جو کہ گرمیوں میں ٹھنڈے اور سردیوں میں گرم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان نعمتوں کی طرف اشارہ دے کے کہتے ہیں کہ غور کرو یہ سب میں نے تمہارے پیدا کیا۔

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ﴿٦﴾

اور جب شام کو انہیں (جنگل سے) لاتے ہو اور جب صبح کو (جنگل) چرانے لے جاتے ہو تو ان سے تمہاری عزت و شان ہے ۔

یعنی صرف تمہاری ضرورت نہیں رکھی۔ کمال کے ساتھ جمال بھی ہے۔ 'جمل' عربی میں اونٹ کو کہتے ہیں۔ عربی لغت میں سب سے زیادہ الفاظ اُونٹوں سے مناسبت رکھتے ہیں کیوں اُن کے چاروں طرف اونٹ ہی تھے۔ یہاں پہلے شام کا ذکر کیا پھر صُبح کا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پیچھے جمال کا لفظ ہے۔ صُبح بکریاں ڈھیلی ڈھالی، بھوکی جاتی ہیں، جیسے ہم صُبح سُست ہوتے ہیں۔ شام کو جب جانور بھرے پیٹ سے واپس آتے ہیں تو چاک و چو بند ہوتے ہیں۔ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے تمہیں خوبصورت نعمتوں سے روکا نہیں ہے۔ وہ چیزیں جن کو دیکھ کر انسان اللہ کے زیادہ قریب ہو سکتا ہے وہ کائنات پہ غور ہو۔ جتنا زیادہ آپ کائنات پہ غور کریں گے، اللہ سے محبت پیدا ہو گی۔ ہم دورۂ قرآن میں تیسویں پارے میں پڑھ چُکے ہیں کہ کیا پھر تم اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کیا گیا۔

آپ ان سب چیزوں کے کھانے پینے کو دیکھیں تو سادہ خوراک کھاتی ہیں لیکن بہترین اور ذائقے دار چیزیں دیتی ہیں۔ تو کہا کہ اگر تمہارے خیال میں تمہیں کم نعمتیں ملی ہیں تو تم اللہ کی ذات کی اس کائنات میں وہی لوگ پنپتے ہیں جو پتھر کھا کے پھل دیتے ہیں۔ مجھے بھی کم نعمتوں پہ زیادہ کام کرنا ہے۔ انکی آکسیجن سے گرمی ہوتی ہے۔ سردیوں میں ان جانوروں کے بال بہت تیزی سے بڑھتے ہیں۔ جتنے بال لمبے ہوتے جاتے ہیں انہیں سردی کم محسوس ہوتی ہے اور گرمیوں میں ان کے بالوں کی نشوونما رُک جاتی ہے۔

لفظ تُرِيحُونَ کو دیکھ لیں۔ ر،و،ح اسکا روٹ ہے۔ رواہ عربی زبان میں ظہر کا وقت ہے۔ جسکو اُردو میں پچھلا پہر کہتے ہیں۔ اسے سے لفظ 'راحت' بھی ہے۔ تَسۡرَحُونَ س،ر،ح سے۔ سرحون پھل دار درخت کو کہتے ہیں۔ اونٹوں کو اُن درختوں کے پاس لے جایا جاتا ہے جن پہ زیادہ پھل ہوں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہتے ہیں کہ ان کو دیکھو اور خوش ہو۔ آج کے دور میں لوگوں کی دولت عموماً بینکوں میں پڑی رہتی ہیں اور کسان یا چرواہے کی چیزیں اُس کی آنکھوں کے سامنے رہتی ہیں۔ یہ "مال" ہے۔ عربی زبان میں مالَ، یملو، یملًا، کہتے ہیں۔ پتا چلا کہ جو دولت اللہ لوگوں کو دیتے ہیں وہ کھلی پڑی ہوتی ہے اور ہم اپنی دولت چھُپا چھُپا کے رکھتے ہیں۔ اصل دولت وہی ہے، چاہے آپکے بچے، آپکا گھر یا آپ کا مال ہے، کہ جس کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور جنکو سنبھالنا پڑتا ہے وہ پڑی رہتی ہیں۔ اگر آپ ٹرین پہ یورپ کا سفر کریں تو آپ کو سرسبز پہاڑوں پہ بکریاں چرتی ہوئی نظر آئیں گی۔ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے، سبزے پر اون کے گولے چل رہے ہیں۔ بہت خوبصورت منظر لگتا ہے۔ کسان کتنا خوش ہوتا ہو گا ان کو دیکھ کے۔ ان چیزوں سے دل لگائیں۔ بچوں کو یہ قدرتی مناظر دکھائیں۔ آپ کسی شور والی جگہ

چلے جائیں تو سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ جبکہ نیچرل جگہوں پہ سکون ملتا ہے۔ ایسی چیزیں دیکھنے اور پڑھنے سے اللہ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ ہم اللہ سے یہ دعا کریں کہ ہم اپنے اندر کی آنکھ کو کھولیں۔ ہمیں جب قرآن سے پیار ہو جاتا ہے تو پھر کائنات سے پیار ہونے لگتا ہے اور کائنات سے پیار ہو جائے تو پھر رَبِ کائنات سے بھی پیار ہو جاتا ہے۔ اس پہ غور و فکر ضائع نہیں ہوتا۔

وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَـكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ‌ؕ اِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌۙ ﴿۷﴾

وہ تمہارے لیے بوجھ ڈھو کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے ۔

آپ دیکھیں کہ جہاں گاڑیاں، جیپ بھی نہیں جاسکتی، وہاں یہ جانور لے جاتے ہیں۔ یہ چوتھا فائدہ ہے۔ تین فائدے پیچھے پڑھے۔ دِفۡ، مَنَافِع، تَاۡكُلُوۡنَ چوتھا تَحۡمِلُ اَثۡقَالَـكُمۡ، تمہارے بوجھ کو اُٹھاتے ہیں۔ جانوروں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ ایک وقت میں بہت زیادہ بوجھ اُٹھا لیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ سب تمہارے فائدے کے لیے ہے۔ کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں گاڑیاں بھی نہیں جا سکتیں تو یہ نئی نئی جانیں لے جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ تم ان پر زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔

حضرت عمرؓ کے دور میں جانور پہ اگر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا جاتا تھا تو پولیس پکڑ کے لے جاتی تھی۔ اگر جانوروں کے حقوق دیکھنے ہوں تو حضرت عمرؓ کے دور کے دیکھ لیں۔ آج لوگوں نے ان کے حقوق کے نام پہ یہ کر دیا کہ ان کا گوشت نہ کھاؤ۔ رحم کے طور پہ، آج یہ فیشن بنتا جارہا ہے کہ گوشت نہیں کھانا کیوں کہ ہمیں ان پر ترس آتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کہتے ہیں کہ جس کو جس کام کے لیے بنایا

ہے اگر اُس سے وہ کام نہیں لے گو تو پھر کیا فائدہ ہو گا۔ ثُقَال، ثقل، کی جمع ہے۔ ثقل بوجھ کو کہتے ہیں۔ بَلَد شہر کو کہتے ہیں۔ بٰلِغِیۡ یہ اصل میں بٰلِغِین کی جمع ہے۔ بِشِقِّ، شِق کی جمع ہے۔ شِق محنت کو کہتے ہیں۔ جان لگانا، ایسی محنت جو بدن سے ہو اور اَنۡفُس، نفس کی جمع ہے۔ یعنی تم وہاں پہنچ نہیں سکتے، جہاں یہ لے جاتے ہیں۔ اونٹ 10 من تک وزن اُٹھا لیتا ہے۔ اسی طرح خچر اور گدھا اُونٹ سے کم وزن اُٹھا سکتے ہیں۔ اِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۙ، تمہارا رب شفیق، مہربان ہے۔ تم پر یہ مہربانی کی کہ تمہیں پیدل چلنے سے بچا کر سواریاں دے دیں۔ اب تمہارا ان جانوروں پر رحم اور شفقت یہ ہے تم ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو یہ اُٹھا نہ سکیں۔

وَّالۡخَيۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِيۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَزِيۡنَةً ‌ؕ وَيَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸﴾

اُس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہاری زندگی کی رونق بنیں وہ اور بہت سی چیزیں (تمہارے فائدے کے لیے) پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم تک نہیں ہے۔

خَيۡل، گھوڑا، بِغَال، خچر، الۡحَمِيۡرَ جس کا باپ گھوڑا اور ماں خچر ہو۔ الۡحَمِيۡرَ حمار کی جمع ہے۔ گدھے کو کہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کہتے ہیں یہ تمہاری سواریاں ہیں۔ ان تینوں کی جگہ اپنی اپنی گاڑیوں کے نام لکھ لیں۔ اللہ نے ضرورت کے تحت سب کو دی ہوئی ہیں۔ زِيۡنَةً خوبصورت بھی لگتی ہیں۔ اور وَيَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم بھی نہیں ہے۔ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ ہماری آج کی گاڑیاں ہیں۔ اللہ کے نبیؐ دور میں تو یہی چیزیں تھیں لیکن آج کے دور میں ہر طرح

کی سواری، گاڑی، موٹر سائیکل اور مختلف چیزیں شامل ہیں۔ قیامت تک کہ سواریوں کا بتا دیا اور کہا کہ تم اللہ کے شُکر گذار بنو۔ اب شکر کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾

اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ بتانا جب کہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔

سیدھا راستہ توحید کا راستہ ہے۔ اسی کو قَصْدُ السَّبِيْلِ کہا اسی کو "صراطِ مستقیم" کہا۔ اسی کو "صوا السبیل" کہا۔ توحید وہ راستہ ہے جو انسان کو جنت میں لے جائے گا لیکن بہت سے لوگ اس سے گزر کے جَآئِرٌ کی طرف چلے جاتے ہیں پگڈنڈیوں میں مُڑ جاتے ہیں جو انہیں گمراہیوں کی طرف لے جاتی ہیں۔ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت کی طرف لے جاتا ہے۔

اس آیت سے یہ پتا چلا کہ ہم جو اللہ کی نعمتوں کو پڑھ رہے ہیں تو اللہ کہہ رہا ہے کہ میری یہ ساری نعمتیں پانے کے بعد کیا پھر تم شک کروگے۔ اور جس نے یہ چیزیں بنائیں، وہی تمھیں زندگی گزارنے کا سلیقہ بھی سکھاتا ہے۔ قَصْدُ السَّبِيْلِ کا ایک مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی تمھیں زندگی گذارنے کا طریقہ سکھاتا ہے۔ سورۃ لیل آیت بارہ میں آتا ہے اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۖ ﴿۱۲﴾ بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے ۔ تمھیں ہدایت دینا ہمارے ذمے ہے۔ ہم تمھیں راستہ دکھانے والے ہیں۔ عَلٰی بمعنی عِلٰیَ ہے، 'طرف' کے۔ قَصْد کے معنی درمیان کے ہیں۔ افراط و تفریط سے پاک صراطِ مستقیم۔ سورۃ الانعام آیت 153 میں آتا ہے وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

عَنۡ سَبِيۡلِهٖ نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لٰہذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے۔ جو نعمتیں پانے کے بعد شُکر کرتے ہیں وہ اللہ کو پا جاتے ہیں۔ اور جو نافرمانی اور ناشکری کرتے ہیں وہ دوسری طرف چل پڑتے ہیں۔

لفظ جَآئِر جور سے ہے۔ ٹیڑھے ہونے کو کہتے ہیں۔ سورۃ یٰسین آیت 61، سورۃ روم آیت 43، سورۃ الانعام 35، سورۃ سجدہ آیت 13، سورۃ ھود آیت 11، سورۃ یونس آیت 99، ان سب آیتوں میں یہی مفہوم ہے کہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا، وہی راستہ دکھاتا ہے، اور اگر اللہ تمہیں راستہ نہ دکھاتا تو تمہیں کوئی راستہ نہیں دکھا سکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس سوچ پہ چھوڑ رہے ہیں کہ میں تمہارا رب ہوں، میں تمہارا مالک ہوں۔ مالک کا اپنے جانوروں سے یہ معاملہ ہوتا ہے کہ یہ نہ بیمار ہو، نہ بھوکا رہے اور نہ بھٹکے۔ یہی اللہ ہم سے چاہتا ہے۔ مرو نہیں، زندہ رہو، بھٹکو نہیں اللہ کی راہنمائی میں سیدھی زندگی بسر کرو، اور بھوکے بھی نہ رہو۔ کھانے، پینے کا انتظام بھی کر دیا اور کہا کہ تم کھاو پیئو، بس اپنی زندگی کو اللہ کے حکموں کے مطابق گزارو۔

میرا خود سے یہ سوال ہونا چاہیے کہ کیا ان تمام نعمتوں کو پا کے سیدھے راستے پہ چلتی ہوں یا بھٹکے ہوئے راستوں پہ۔